علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ

مدتِ مدید کی بات ہے کہ کشمیر میں ہندوؤں کے ظلم وستم نے مسلمانوں کو نہایت تنگ کر رکھا تھا۔ کچھ مسلمانوں نے وادیٔ کشمیر کی بہاروں کو چھوڑا اور پنجاب کی گرم ہواؤں میں آن بسے۔ ان مہاجر مسلمانوں میں سے ایک خاندان سیالکوٹ میں مقیم ہوا اور یہیں کا ہو رہا۔ اس خاندان کے ایک بزرگ کا نام صوفی نور محمد تھا جو سیالکوٹ میں ٹوپیوں کی دکان کرتے تھے۔ وہ نیک طینت اور خدا پرست تھے۔ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ ماں باپ نے خوشی منائی اور بچے کا نام محمد اقبال رکھا۔

وقت گزرتا گیا۔ بچہ بڑھتا گیا۔ جب ذرا سیانا ہوا تو ایک مکتب میں پڑھنے کو بٹھا دیا گیا۔ یہاں سے اٹھایا تو مشن سکول میں بٹھایا۔ بچہ تھا بڑا ذہین۔ اس نے پرائمری میں وظیفہ پایا پھر مڈل میں یہی اعزاز حاصل کیا۔ میٹرک سے فارغ ہوا تو مرے کالج سیالکوٹ میں داخلہ لیا۔ یہاں مولوی میر حسن جیسا شفیق استاد ملا جس نے عربی، فارسی اور اسلامی تعلیم کا ذوق پیدا کیا۔ ایف۔ اے پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے فلسفہ میں ایم۔ اے کیا اور کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج میں پروفیسری کی۔ پھر ۱۹۰۵ء میں یورپ کے سفر پر کمر باندھی۔ کیمبرج

یونیورسٹی سے بار ایٹ لاء کیا اور جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی اور ڈاکٹر محمد اقبال بن کر وطن واپس آئے۔ اس بے وطنی اور یورپ کی بے راہروی نے اقبال کے دل میں مذہب کی سچی محبت اور وقعت پیدا کر دی۔

آپ کو بچپن ہی سے شعروشاعری سے محبت تھی۔ انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں اقبال کے نام سے رونق آ جاتی تھی۔ اقبال کی نظم کا ایک ایک شعر اشرفیوں میں تلتا تھا۔ وہ مسلمانوں کے زوال پر بے حد غمناک تھے۔ وہ مسلم نوجوانوں کو اسلام کی آن پر کٹ مرنا سکھاتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں پاکستان کا تخیل پیش کر کے نوجوانوں کے دلوں میں آگ لگا دی۔ قائداعظم کو ولایت سے لائے اور مسلمانوں کی قیادت انھیں سونپی۔

اقبال جانتے تھے کہ محمد علی جناح ہی وہ شخصیت ہیں جنھیں نہ تو خریدا جا سکتا ہے نہ راستے سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ پاکستان کے حصول کے لیے ان سے زیادہ موزوں مسلمانوں میں کوئی نہیں۔ چنانچہ اقبال کی رہنمائی اور قائداعظم کی شبانہ روز محنت سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا ہلال دنیا کے نقشے پر طلوع ہوا۔

انگریزی حکومت نے اقبال کو ''سر'' کا خطاب دے رکھا تھا۔ مگر اقبال نے انگریزی حکومت کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیے۔ انگریز کی ساحری کو مسحور کر دیا اور وہ اس مرد درویش کے سامنے عاجز آ گئی۔

اِقبالؒ نے اردو اور فارسی میں اس قدر بلند خیالات کا اظہار کیا ہے کہ ایران اور دنیا بھر کے شاعروں اور فلسفیوں نے موجودہ زمانے کو ''عصرِ اقبال'' کہہ کر تعریف کے پھول پیش کیے۔ اردو میں ''بانگِ درا''، ''بالِ جبریل''، ''ضربِ کلیم''، ''ارمغانِ حجاز'' اقبال کے شعری مجموعے ہیں۔ فارسی میں ''پیام مشرق''، ''زبورِ عجم''، ''مثنوی اسرار و رموز''، ''جاوید نامہ''، ''ارمغانِ حجاز'' کا کچھ حصہ شامل ہے۔

افسوس ہے کہ اقبالؒ نے جو شمع جلائی تھی خود اس کی روشنی سے مستفید نہ ہو سکے اور ۲۱۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو راہ رَوِ عالم بقا ہو گئے۔ بادشاہی مسجد کے صدر دروازے کے باہر آپ کا مقبرہ زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ سچ ہے کہ ایسے نابغہ روزگار کہیں صدیوں بعد ہی پیدا ہوتے ہیں۔ وہ خود کہہ گئے ہیں:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا